اِنَّآ اَنۡذَرۡنٰكُمۡ عَذَابًا قَرِيۡبًا ۖۚ يَّوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ وَيَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا ؕ ﴿۴۰﴾

ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا (اور چوکنا کر دیا) ہے۔[1] جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی کو دیکھ لے گا[2] اور کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا۔[3] (۴۰)

سُوۡرَةُ النّٰزِعٰتِ

سورۂ نازعات مکی ہے اور اس میں چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ ﴿۱﴾

ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم![4] (۱)

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ ﴿۲﴾

بند کھول کر چھڑا دینے والوں کی قسم![5] (۲)

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ ﴿۳﴾

اور تیرنے پھرنے والوں کی قسم![6] (۳)

ٹھکانہ مل جائے۔

(۱) یعنی قیامت والے دن کے عذاب سے جو قریب ہی ہے۔ کیوں کہ اس کا آنا یقینی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے' کیوں کہ بہرصورت اسے آکر ہی رہنا ہے۔

(۲) یعنی اچھا یا برا' جو عمل بھی اس نے دنیا میں کیا وہ اللہ کے ہاں پہنچ گیا ہے' قیامت والے دن وہ اس کے سامنے آجائے گا اور اس کا مشاہدہ کر لے گا ﴿وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا﴾ (الکہف ۴۹) ﴿يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ (القیامۃ ۱۳)

(۳) یعنی جب وہ اپنے لیے ہولناک عذاب دیکھے گا تو یہ آرزو کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کے درمیان بھی عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا' حتیٰ کہ ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ کے جانور پر کوئی زیادتی کی ہوگی' تو اس کا بھی بدلہ دلائے گا اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ جانوروں کو حکم دے گا کہ مٹی ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر بھی آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی حیوان ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۴) نَزۡعٌ کے معنی' سختی سے کھینچنا' غَرۡقًا ڈوب کر۔ یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے فرشتے کافروں کی جان' نہایت سختی سے نکالتے ہیں اور جسم کے اندر ڈوب کر۔

(۵) نَشۡطٌ کے معنی گرہ کھول دینا۔ یعنی مومن کی جان فرشتے بہ سہولت نکالتے ہیں' جیسے کسی چیز کی گرہ کھول دی جائے۔

(۶) سَبۡحٌ کے معنی' تیرنا' فرشتے روح نکالنے کے لیے انسان کے بدن میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جیسے غواص سمندر سے موتی نکالنے کے لیے سمندر کی گہرائیوں میں تیرتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ نہایت تیزی سے اللہ کا حکم لے کر

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴
پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم![1] (۴)

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵
پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم![2] (۵)

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۶
جس دن کانپنے والی کانپے گی۔[3] (۶)

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝۷
اس کے بعد ایک پیچھے آنے والی (پیچھے پیچھے) آئے گی۔[4] (۷)

قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۝۸
(بہت سے) دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔[5] (۸)

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹
جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی۔[6] (۹)

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝۱۰
کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی کی سی حالت کی طرف پھر لوٹائے جائیں گے؟[7] (۱۰)

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝۱۱
کیا اس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں

آسمان سے اترتے ہیں۔ کیوں کہ تیز رو گھوڑے کو بھی سابح کہتے ہیں۔

(۱) یہ فرشتے اللہ کی وحی، انبیا تک، دوڑ کر پہنچاتے ہیں تاکہ شیطان کو اس کی کوئی سن گن نہ ملے۔ یا مومنوں کی روحیں جنت کی طرف لے جانے میں نہایت سرعت سے کام لیتے ہیں۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ جو کام ان کے سپرد کرتا ہے، وہ اس کی تدبیر کرتے ہیں اصل مدبر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت فرشتوں کے ذریعے سے کام کرواتا ہے تو انہیں بھی مدبر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے پانچوں صفات فرشتوں کی ہیں اور ان فرشتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جواب قسم محذوف ہے یعنی ﴿لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ﴾ "تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے اور تمہیں تمہارے عملوں کی بابت خبر دی جائے گی"۔ قرآن نے اس بعث و جزاء کے لیے کئی مواقع پر قسم کھائی ہے جیسے سورۂ تغابن، ۷ میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر مذکورہ الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ یہ بعث و جزا کب ہو گی؟ اس کی وضاحت آگے فرمائی۔

(۳) یہ نفخۂ اولیٰ ہے جسے نفخۂ فنا کہتے ہیں، جس سے ساری کائنات کانپ اور لرز اٹھے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

(۴) یہ دوسرا نفخہ ہو گا، جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے۔ یہ دوسرا نفخہ پہلے نفخہ سے چالیس سال بعد ہو گا۔ اسے رَادِفَةٌ اس لیے کہا ہے کہ یہ پہلے نفخے کے بعد ہی ہو گا۔ یعنی نفخۂ ثانیہ، نفخۂ اولیٰ کا ردیف ہے۔

(۵) قیامت کے اہوال اور شدائد سے۔

(۶) یعنی أَبْصَارُ أَصْحَابِهَا، ایسے دہشت زدہ لوگوں کی نظریں بھی (مجرموں کی طرح) جھکی ہوئی ہوں گی۔

(۷) حَافِرَةٌ، پہلی حالت کو کہتے ہیں۔ یہ منکرین قیامت کا قول ہے کہ کیا ہم پھر اس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جس طرح مرنے سے پیشتر تھے؟

گے؟[1] (١١)

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾

کہتے ہیں کہ پھر تو یہ لوٹنا نقصان دہ ہے۔[2] (١٢)

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾

(معلوم ہونا چاہیئے) وہ تو صرف ایک (خوفناک) ڈانٹ ہے۔ (١٣)

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾

کہ (جس کے ظاہر ہوتے ہی) وہ ایک دم میدان میں جمع ہو جائیں گے۔[3] (١٤)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾

کیا موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر تمہیں پہنچی ہے؟ (١٥)

اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾

جب کہ انہیں ان کے رب نے پاک میدان طویٰ میں پکارا۔[4] (١٦)

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿١٧﴾

(کہ) تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کرلی ہے۔[5] (١٧)

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾

اس سے کہو کہ کیا تو اپنی درستگی اور اصلاح چاہتا ہے۔[6] (١٨)

وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾

اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تاکہ تو (اس

---

(١) یہ انکار قیامت کی مزید تاکید ہے کہ ہم کس طرح زندہ کردیئے جائیں گے جب کہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

(٢) یعنی اگر واقعی ایسا ہوا جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے' پھر تو یہ دوبارہ زندگی ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہوگی۔

(٣) سَاهِرَةٌ سے مراد زمین کی سطح یعنی میدان ہے۔ سطح زمین کو سَاهِرَةٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام جانداروں کا سونا اور بیدار ہونا' اسی زمین پر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چٹیل میدانوں اور صحراؤں میں خوف کی وجہ سے انسان کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہاں بیدار رہتا ہے' اس لیے سَاهِرَةٌ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) بہرحال یہ قیامت کی منظر کشی ہے کہ ایک ہی نفخے سے سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

(٤) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچ گئے تھے تو وہاں ایک درخت کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا' جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ طٰہٰ کے آغاز میں گزری طُوًى اسی جگہ کا نام ہے' ہم کلامی کا مطلب نبوت و رسالت سے نوازنا ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت عطا فرما دی۔

(٥) یعنی کفر و معصیت اور تکبر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

(٦) یعنی کیا ایسا راستہ اور طریقہ تو پسند کرتا ہے جس سے تیری اصلاح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اور مطیع ہو جا۔

سے) ڈرنے لگے۔ (۱) (۱۹)

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾
پس اسے بڑی نشانی دکھائی۔ (۲) (۲۰)

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾
تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ (۳) (۲۱)

ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾
پھر پلٹا دوڑ دھوپ کرتے ہوئے۔ (۴) (۲۲)

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾
پھر سب کو جمع کر کے پکارا۔ (۵) (۲۳)

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾
تم سب کا رب میں ہی ہوں۔ (۲۴)

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾
تو (سب سے بلند و بالا) اللہ نے بھی اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا۔ (۶) (۲۵)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾
بیشک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرے۔ (۷) (۲۶)

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾
کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ (۸) اللہ

---

(۱) یعنی اس کی توحید اور عبادت کا راستہ' تاکہ تو اس کے عقاب سے ڈرے۔ اس لیے کہ اللہ کا خوف اسی دل میں پیدا ہوتا ہے جو ہدایت پر چلنے والا ہوتا ہے۔

(۲) یعنی اپنی صداقت کے وہ دلائل پیش کیے جو اللہ کی طرف سے انہیں عطا کیے گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے۔ مثلاً ید بیضا اور عصا اور بعض کے نزدیک آیات تسعہ۔

(۳) لیکن ان دلائل و معجزات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور تکذیب و نافرمانی کے راستے پر وہ گامزن رہا۔

(۴) یعنی اس نے ایمان و اطاعت سے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ زمین میں فساد پھیلانے اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی سعی کرتا رہا' چنانچہ جادوگروں کو جمع کر کے ان کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرایا' تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کیا جا سکے۔

(۵) اپنی قوم کو' یا قتال و محاربہ کے لیے اپنے لشکروں کو' یا جادوگروں کو مقابلے کے لیے جمع کیا اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ربوبیت اعلیٰ کا اعلان کیا۔

(۶) یعنی اللہ نے اس کی ایسی گرفت فرمائی کہ اسے دنیا میں آئندہ آنے والے متمردین کے لیے نشان عبرت بنا دیا اور قیامت کا عذاب اس کے علاوہ ہے' جو اسے وہاں ملے گا۔

(۷) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر انہوں نے گزشتہ لوگوں کے واقعات سے عبرت نہ پکڑی تو ان کا انجام بھی فرعون کی طرح ہو سکتا ہے۔

(۸) یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصود زجر و توبیخ ہے کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانوں اور ان کے عجائبات کو پیدا کر سکتا ہے' اس

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾
تعالیٰ نے اسے بنایا۔ (٢٧)
اسکی بلندی اونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا۔[1] (٢٨)

وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾
اسکی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو نکالا۔[2] (٢٩)

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾
اور اس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا۔[3] (٣٠)

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾
اس میں سے پانی اور چارہ نکالا۔ (٣١)

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾
اور پہاڑوں کو (مضبوط) گاڑ دیا۔ (٣٢)

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾
یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے (ہیں) (٣٣)

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾
پس جب وہ بڑی آفت (قیامت) آجائے گی۔ (٣٤)

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾
جس دن کہ انسان اپنے کیے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا۔ (٣٥)

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾
اور (ہر) دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی۔[4] (٣٦)

کے لیے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل ہے۔ کیا تمہیں دوبارہ پیدا کرنا آسمان کے بنانے سے زیادہ مشکل ہے؟

(١) بعض نے سَمْكٌ کے معنی چھت بھی کیے ہیں، ٹھیک ٹھاک کرنے کا مطلب، اسے ایسی شکل و صورت میں ڈھالنا ہے کہ جس میں کوئی تفاوت، کجی، شگاف اور خلل باقی نہ رہے۔

(٢) اَغْطَشَ أَظْلَمَ أَخْرَجَ کا مطلب أَبْرَزَ اور نَهَارَهَا کی جگہ ضُحٰهَا اس لیے کہا کہ چاشت کا وقت سب سے اچھا اور عمدہ ہے۔ مطلب ہے کہ دن کو سورج کے ذریعے سے روشن بنایا۔

(٣) یہ حم السجدۃ، ٩ میں گزر چکا ہے کہ خَلَقَ (پیدائش) اور چیز ہے اور دَحیٰ (ہموار کرنا) اور چیز ہے۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلی ہوئی ہے لیکن اس کو ہموار آسمان کی پیدائش کے بعد کیا گیا ہے اور یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور ہموار کرنے یا پھیلانے کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ نے ان کا اہتمام فرمایا، مثلاً زمین سے پانی نکالا، اس میں چارہ اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں کو میخوں کی طرح مضبوط گاڑ دیا تاکہ زمین نہ ہلے۔ جیسا کہ یہاں بھی آگے یہی بیان ہے۔

(٤) یعنی کافروں کے سامنے کر دی جائے گی تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اب ان کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مومن اور کافر دونوں ہی اسے دیکھیں گے، مومن اسے دیکھ کر اللہ کا شکر کریں گے کہ اس نے ایمان اور اعمال صالحہ کی بدولت انہیں اس سے بچا لیا، اور کافر، جو پہلے ہی خوف و دہشت میں مبتلا ہوں گے، اسے دیکھ کر انکے غم و حسرت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾

تو جس (شخص) نے سرکشی کی (ہوگی)۔[۱] (۳۷)

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾

اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی (ہوگی)۔[۲] (۳۸)

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾

(اس کا) ٹھکانا جہنم ہی ہے۔[۳] (۳۹)

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾

ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے[۴] سے ڈرتا رہا ہو گا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہو گا۔[۵] (۴۰)

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾

تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔[۶] (۴۱)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾

لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کا وقت دریافت کرتے ہیں۔[۷] (۴۲)

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾

آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق؟[۸] (۴۳)

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾

اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے۔ (۴۴)

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾

آپ تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والے ہیں۔[۹] (۴۵)

---

(۱) یعنی کفر و معصیت میں حد سے تجاوز کیا ہو گا۔

(۲) یعنی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھا ہو گا اور آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہو گی۔

(۳) اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہو گا' جہاں وہ اس سے بچ کر پناہ لے لے۔

(۴) کہ اگر میں نے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کی تو مجھے اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا' اس لیے وہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا ہو۔

(۵) یعنی نفس کو ان معاصی اور محارم کے ارتکاب سے روکتا رہا ہو جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا تھا۔

(۶) جہاں وہ قیام پذیر' بلکہ اللہ کا مہمان ہو گا۔

(۷) یعنی قیامت کب واقع اور قائم ہو گی؟ جس طرح کشتی اپنے آخری مقام پر پہنچ کر لنگر انداز ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے وقوع کا صحیح وقت کیا ہے؟

(۸) یعنی آپ کو اس کی بابت یقینی علم نہیں ہے' اس لیے آپ کا اس کو بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کا یقینی علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔

(۹) یعنی آپ کا کام صرف انذار (ڈرانا) ہے' نہ کہ غیب کی خبریں دینا' جن میں قیامت کا علم بھی ہے جو اللہ نے کسی کو

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝۴۶

جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی (دنیا میں) رہے ہیں۔[1] (۴۶)

سُوْرَةُ عَبَسَ

سورۂ عبس مکی ہے اور اس میں بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝۱

وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا۔(۱)

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲

(صرف اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔[2] (۲)

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝۳

تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔[3] (۳)

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴

یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی۔(۴)

بھی نہیں دیا ہے۔ مَنْ يَّخْشٰهَا اس لیے کہا کہ انذار و تبلیغ سے اصل فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے' ورنہ انذار و تبلیغ کا حکم تو ہر ایک کے لیے ہے۔

(۱) عَشِيَّةً ' ظہر سے لے کر غروب شمس تک اور ضحیٰ' طلوع شمس سے نصف النہار تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی جب کافر جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو دنیا کی عیش و عشرت اور اس کے مزے سب بھول جائیں گے اور انہیں ایسا محسوس ہو گا کہ وہ دنیا میں پورا ایک دن بھی نہیں رہے۔ دن کا پہلا حصہ یا دن کا آخری حصہ ہی صرف دنیا میں رہے ہیں یعنی دنیا کی زندگی' انہیں اتنی قلیل معلوم ہو گی۔

☆- اس کی شان نزول میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشراف قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتوم جو نابینا تھے' تشریف لے آئے اور آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی سی برتی۔ چنانچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا۔ (ترمذی' تفسیر سورۂ عبس۔ صحیحۃ الألبانی)

(۲) ابن ام مکتوم کی آمد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے' اسے عَبَسَ سے اور بے توجہی کو تَوَلّٰى سے تعبیر فرمایا۔

(۳) یعنی وہ نابینا تجھ سے دینی رہنمائی حاصل کر کے عمل صالح کرتا جس سے اس کا اخلاق و کردار سنور جاتا' اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی اور تیری نصیحت سننے سے اس کو فائدہ ہوتا۔